ہزارگی زبان کے بارے میں چند باتیں

تحقیق و تحریر: اسحاق محمدی

ایک طویل عرصہ جہالت و ناخواندگی کی لپیٹ اور بعد ازاں جابر کابل کے افغان حکمرانوں کے ظلم و ستم کا تختہ مشق بننے کے باعث ہزارہ قوم کو اپنی تاریخ و ثقافت بطور خاص زبان کی نشوء نما و ترویج کی طرف متوجہ ہونے کی فرصت نہیں ملی۔ تاریکی کی اس طویل دور میں افغانستان سے باہر شادروان ملا محمد افضل ارزگانی پہلا مورخ تھا جس نے ہزارہ تاریخ پر ایک مختصر مگر جامع تحقیقی کتاب ''المختصر المنقول فی التواریخ ہزارہ والمغل'' لکھی جسکی اشاعت 1911 میں کوئٹہ سے ہوئی جبکہ افغانستان کے اندر شادروان فیض محمد کاتب ہزارہ جیسے اسکی پرکاری اور ایماندارانہ طرز تحریر کی وجہ سے ''بابائے تاریخ افغانستان'' کا خطاب دیا گیا ہے، کو اپنی تمام تر علمی قابلیت اور پاکیزہ کلاسک طرز تحریر رکھنے کے باوجود یہ موقع میسر نہیں آیا کہ وہ ہزارہ تاریخ پر قلم فرسائی اور اسکی اشاعت کریں۔ کاتب ہزارہ کی چھ ہزار فل سکیپ پر مشتمل انیس کتابوں میں سے صرف سراج التواریخ کی تین جلدیں کابل میں چھپ سکی جس میں زیادہ تر امیر عبدالرحمٰن کے دور حکومت اور اسکی داخلی جنگوں بشمول جنگ ہزارہ کا احاطہ کیا گیا ہے اور جس میں امیر جابر کے مظالم پر سے ایک حد تک ملفوف انداز میں پردہ اٹھانے کی کوشش کی ہے اسی لئے اس کتاب کی اشاعت کے صرف چند دنوں بعد افغان حکومت کی طرف سے اسے جمع کرا کر نظر آتش کی گئ مگر خوش قسمتی سے اسکی چند جلدیں علم دوست حضرات کے دسترس تک پہنچی اور اب اسے ایک متعبر تاریک و دستاویز کی حیثیت حاصل ہے اس کے بعد کاتب ہزارہ کی دیگر تصانیف کو اشاعت کی اجازت نہیں ملی۔ (پچھلے چند سالوں کے دوران سراج التواریخ کی دوبارہ اشاعت کے علاوہ ایک اور مختصر کتاب ''نژاد نامۂ افغان'' کو ایران سے چھاپنے کی اجازت ملی ہے)۔

بیسویں صدی کی چھٹی دھائی سے مغربی محققین ہزارہ قوم کی طرف متوجہ ہوئی جس میں مٹلنڈ، جی پی ٹیٹ، ایلزبتھ بیکن، مور کرافٹ، فرڈینڈ، شرمن، ایوا مور، فریئر اور اگلی دھائی میں ڈلنگ، تیمور خانوف، کانفیلڈ، لیفموف اور خانیکوف وغیرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ اسی (80) کی دھائی میں افغان ثور انقلاب کے بعد چونکہ ہزارہ جدید تعلیم یافتہ افراد کی ایک بڑی تعداد نظریاتی لحاظ سے اس انقلاب کے مخالف تھی اس لئے وہ مسلحانہ جدوجہد میں کود پڑیں جس کے باعث ان کی طرف سے کوئی قابل ذکر تحریر منظر عام پر نہ آسکا البتہ شادروان عیسیٰ غرجستانی کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ اس نے کوئٹہ پاکستان کو اپنا مرکز بنا کر یہاں سے ہزارہ تاریخ و ثقافت پر انیس کے قریب قابل

ہزارگی زبان کے بارے میں چند باتیں

ذکر کتابیں اور درجنوں مقالات شائع کی۔ جبکہ دوسری طرف ایرانی اسلامی انقلاب کے زیر اثر جو شیلے ہزارہ علماء و طلاب کی طرف سے قومیت کے صرف موضوع ہی کو شرک اور اس ضمن میں ہلکی سی جنبش قلم کو بھی ناقابل معافی جرم قرار دیا گیا چنانچہ ان کی طرف بھی کوئی تحریر سامنے نہیں آئی۔ تاہم نوے کی دھائی سے اس کٹرپن نظریاتی انداز فکر میں کمی آنے کے اثرات آنے لگے۔ چنانچہ ایک طرف وہ سیاسی لحاظ سے ایران سے دور ہٹنے لگے جبکہ دوسری طرف ہزارہ قوم کی تاریخ و ثقافت پر قلم کاری کی جرأت بھی ان میں آتی گئی۔ اس ضمن میں حاج کاظم یزدانی، علی لعلی، شیخ اسحاق اخلاقی، ناصر داودی، بعیر دولت آبادی، جواد خاوری، علی کرمانی، مجید خاوری، یوسف امین، علی جان یزدی اور اسد اللہ شفائی جیسے بڑے نام سامنے آئے جبکہ اس دوڑ میں جدید تعلیم یافتہ ہزارہ بھی پیچھے نہ رہا چنانچہ حسن فولادی، سید عسکر موسوی، حسین نائل، شاہ علی اکبر شہرستانی، علی شہرستانی، شاہ ولی شفائی، اکرم گیزابی، حسن رضا چنگیزی، عالم مصباح، عبدالحسین یاسا، حاجی سلیمان خان، نبی زادہ اور کاوۂ بیات بھی تالیف و ترجمہ کے میدان کے شہسوار ہے۔ جبکہ تیسری جانب ہزارہ جات کابل کے جابر افغانی حکمرانوں کے دسترس سے باہر نکلنے کی وجہ سے ہزارہ قوم تک مغربی محققین کی رسائی بھی آسان ہو گئی اسلئے وہ بھی میدان عمل میں آگئے اور ان کی طرف سے ڈاکٹر السنڈ رو، رومن گیرینگ، مائیکل سمپل، ڈاکٹر گرانٹ، ڈاکٹر کرسٹن برگ، ہیرومی سکاٹا، جان کورینٹذ اور ساتھ ہی ساتھ جلال الدین صدیقی، پروفیسر شرافت عباس وغیرہ نے ہزارہ قوم کی اجتماعی زندگی کے مختلف گوشوں پر اپنی تحقیقات مکمل کیں۔ یوں دس پندرہ سال کی قلیل مدت میں ہزارہ تاریخ و ثقافت، ضرب الامثال، لوک داستانوں، کلاسیک شاعری پر سینکڑوں کتابوں کا ایک بڑا ذخیرہ اکٹھا ہو گیا جس کی نظیر خطے کی دیگر اقوام میں نہیں ملتی۔

اکثر ہزارہ مذہبی لکھاریوں میں یہ دلچسپ مشترک پہلو سامنے آتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو ابھی تک ایرانی انقلاب کے ابتدائی کٹرپنی کے اثرات سے نہیں نکال سکے ہیں جس میں قومیت کو کفر گردانا جاتا ہے۔ چنانچہ ان کی اگر ایک کتاب ہزارہ قوم کے نام سے شائع ہوئی ہے تو دوسری مذہبی ٹائٹل میں چھاپی گئی ہے مثلاً حاج کاظم یزدانی نے اپنی کتاب ''پژوہشی در تاریخ ہزارہ ہا'' کی طباعت کے فوراً ''تاریخ تشیع در افغانستان'' کے ٹائٹل سے تقریباً انہی موضوعات و واقعات کا تکرار کرکے ایک نئی کتاب لکھ ڈالی ہے جبکہ یہی روش شیخ اسحاق اخلاقی کے یہاں بھی نظر آتی ہے۔

موصوف نے اپنی کتاب ''ہزارہ در جریان تاریخ'' کے بعد ''تحقیق وپژوہش در زندگانی امام حسینؑ'' طبع کرکے گویا ایک طرف سے اپنے آپ کو ایرانی سٹیبلشمنٹ کے عتاب سے بچانے کی ایک شعوری کوشش کی۔

ہزارہ اور ہزارجات، تاریخ، لوک داستانوں، ضرب الامثال اور ساتھ ہی ساتھ سماجی و مذہبی رشتوں پر بہت کچھ لکھنے کے باوجود ہزارگی زبان پر جدید سائنسی خطوط پر تحقیقی کام نہ ہونے کے برابر ہے۔ سوائے چند ایک ہزارہ شناس محققین کے باقیوں نے اس موضوع کو سرسری انداز میں لیکر ہزارگی زبان کو محض فارسی دری کی ایک ڈائلیکٹ (لہجہ) قرار دیکر موضوع سے جان چھڑانے کی کوشش کی ہیں (1)۔

یا پھر ابراھیم شریعتی سمیت کئی ھزارہ لکھاری ہیں جو غیر سائنسی اور غیر علمی انداز سے کتراتے ہیں کہ اسکے حروف تہجی "ٹ" اور "ڈ" کو چھوڑ کر باقی سب فارسی ہی کے حروف ہیں یا پھر انکا یہ عذر لنگ کہ اس سے ھزارہ قوم فارسی زبان میں موجود علمی ذخائر سے محروم ہو جائیگی اس ضمن میں عرض یے کہ بشمول فارسی، اردو، پشتو، بلوچی، سندھی و غیرہ سمیت درجنوں زبانوں کے حروف تہجی یا رسم الخط چند حروف کے کمی بیشی کے ساتھ عربی زبان سے اخذ کیئے گئے ہیں اور اگر اس میں ھزارہ گی زبان کا اضافہ ہو جائے تو کوئی حرج نہیں بشرطیکہ مستقبل قریب میں ھزارہ دانشور اسی ضمن میں عربی حروف تہجی کا انتخاب کرتے ہیں ورنہ دیگر کئی مثالیں موجود ہیں کہ جس میں کسی قوم کے دانشوروں نے ایک نئے رسم الخط کے ساتھ کامیابی سے لکھنے کی شروعات کی ہیں۔ مثلاّ ترکی پہلے پہل عربی رسم الخط میں لکھے جاتے تھے جیسے بعد ازآں کمال اتاترک کے دور میں رومن یا لاتین رسم الخط میں کامیابی سے تبدیل کرلیا جبکہ فی زمانہ دونوں مرسوم ہیں۔ یہی صورت پنجابی زبان کی ہے، پاکستان میں یہ عربی جبکہ ھندوستان میں گرومکھی حروف میں لکھے جاتے ہیں۔ جھاں تک فارسی علمی ذخائر سے محرومی کا تعلق ہے یہ بھی درست نہیں، فارسی سے کئی گنا زیادہ علمی ذخائر چینی، روسی، انگریزی، عربی، فرانسیسی و غیرہ جیسی بڑی زبانوں میں موجود ہیں تو پھر انکو ترجیح دینے میں کوئی قباحت نہیں ہونی چاہیئے یہاں اصل مدعا و مقصداً مادری زبانً کی ہے جسکی بغیر کسی بھی قوم کی شناخت مکمل نہیں ہوسکتی۔ یہ حقیقت پیش نظر رھنی چاہیے کہ کوئی زبان اچھی یا بُری، مقدس یا نا مقدس نہیں ہوتی (یہ الگ موضوع ہے کہ بعض قوموں نے مذھب کی آڑ میں اپنی زبانوں کو مقدس بنا کر دیگر اقوام کے سر پر تھوپنے کی کوشش کی ہیں) زبانوں کو پرکھنے کا ایک ہی مسلمہ معیار ہے کہ ان کا علمی ذخیرہ کتنا بڑا ہے جسکا تعلق

ہزارگی زبان کے بارے میں چند باتیں

اس حقیقت سے ہے کہ اسکی پرورش واشاعت پر کتنی توجہ دی گئی ہے جسکا براہ راست تعلق حکمرانوں سے وابستہ ہوتا ہے یعنیً جتنا شکر زیادہ اتنی مٹھاس زیادہً مثلاً چینی زبان سینکڑوں حروف تہجی اور تمام تر گرائمری پیچیدگیوں کے باوجود چینی حکمرانوں کی سرپرستی وتوجہات کے باعث بڑے بڑے علمی ذخائر سے مالامال دنیا کی بڑی زبانوں میں شمار ہوتی ہے، مجھے یہاں یہ کہنے میں کوئی حرج نہیں کہ ماضی کے شاندار مغل وترک حکمران سلسلے اگر فارسی کی بجائے ترکی و مغلی زبانوں کی پرورش واشاعت کی طرف توجہ مبذول کرتے توآج یقیناً یہ دونوں زبانیں بھی دیگر بڑی زبانوں کے صف میں ہوتیں جسمیں بہر حال بنی نوع انسان ہی کا فایدہ ہوتا۔

یہاں یہ تذکرہ کرنا بے جانہ ہوگا کہ یورپ میں زبان کے موضوع پر جدید سائنسی تحقیقات کا آغاز گزشتہ صدی کی چھٹی دہائی سے ہوا تا ہم اس قلیل عرصہ کے دوران بھی مغربی دانشوروں نے زبان کی تکنیکی، صوتی، ساختیاتی، نحوی حتیٰ کہ فلسفیانہ پہلوپر قابل قدر تحقیقاتی کام مکمل کئے ہیں جس کی روشنی میں ہزارگی زبان کو جدید سائنسی انداز میں پرکھنے کی ضرورت ہے۔ محض موجودہ گرامیٹیکل مشابہت یا دری فارسی الفاظ کی کثرت کی وجہ سے ہزارگی کو اس کا ایک ضمنی لہجہ قرار دینا کسی طور پر درست نہیں مثلاً ہندی اور اردو گرائمر، الفاظ، لہجہ سمیت بہت ساری مشترکات رکھنے کے باوجود دوجداگانہ زبانیں تسلیم کی گئی ہے۔ میرے خیال میں زبان انسانی سماج کی سخت جان ترین مظاہر میں سرفہرست ہے جو سب سے آخر میں کسی قوم کا ساتھ چھوڑتی ہے۔(2)۔

زبان کی اس سخت کشی کے بارے میں تقی خاوری یوں لکھتے ہیں ”بہت ساری اقوام و قبائل تاریخ کے مختلف ادوار میں دوسری قوموں میں تحلیل ہونے کے باوجود زبان کے لحاظ سے اپنی تاریخی شناخت و ہویت برقرار رکھی نظر آتی ہیں (3)۔ خود ہزارگی زبان اس ضمن میں بہترین مثال ہے جو ایک طرف کم از کم گزشتہ چھ صدیوں سے طاقتور ایرانی ثقافتی یلغار کی زد میں رہی ہے جسے مذہب کی آڑ بھی حاصل تھی جبکہ دوسری طرف من حیث القوم ہزارہ کو افغان حکمرانوں کے بدترین سیاسی، اقتصادی، ثقافتی اور انتظامی مظالم و ناانصافیوں کا تختہ مشق بنے رہنے کے باوجود آج بھی ہزارگی زبان، ہزارہ عوام الناس کی زبان ہے جس میں مغلی وترکی زبانوں کے الفاظ وتراکیب کثرت سے ملتی ہیں۔ انہی خواص کی وجہ سے معروف روسی زبان شناس ایغیموف جس نے کئی سال تک ہزارگی زبان کی دایز نگی ڈائیلیکیٹ پر تحقیق کی ہے کا کہنا ہے کہ ہزارگی اپنی صوتی، ساختیاتی و نحوی لحاظ سے فارسی دری سے قطعی

مختلف زبان ہے (4)۔اس کتاب کا فارسی میں ترجمہ کابل سے چھپ چکی ہے مگر بدقسمتی سے اب اس کی کاپیاں ناپید ہے۔

آسٹریلیا میں UNESCO, ماہرین لسانیات کے آراء کی روشنی میں ہزارہ گی کو ایک جداگانہ زبان کی حیثیت مل گئی ہے جبکہ ایک اور معتبر بین الاقوامی ادارہ Ethnologic languages of the world, نے بھی اسکی بطور ایک جداگانہ زبان ہونے پر مُہر تصدیق ثبت کر دی ہے (ملاحظہ ہو (ethalogue.com/languages/haz
لہٰذا اس ضمن میں مزید کلام کی گنجائش نہیں حرف حروف تہجی یعنی رسم الخط کے مسئلے پر ہزارہ اہل علم دانشوروں میں اتفاق رائے کا آنا اھم قدم ہوگا۔اب ذرا اسکی تاریخی پس منظر پر نظر دوڑاتے ہیں۔

یہ امر مسلم ہے کہ جس طرح ہزارہ قوم کی تشکیل و تکوین میں ترک و مغل اقوام کو کلیدی حیثیت حاصل ہیں اس کی ہزارگی زبان میں بھی ان دونوں زبانوں کے الفاظ کی بہتات ہیں۔ جسے بابر بادشاہ نے سولویں صدی کے اوائل میں ایک طرح کی مغلی سے تشبیہ دی ہے۔(5)۔ہزارگی زبان میں بیک وقت ترکی و مغلی الفاظ و تراکیب کی موجودگی کے بارے میں گرچہ بعض ہزارہ شناس جیسے بیکن وغیرہ کا خیال ہے کہ "ہزارہ قوم کے چغتائی آباؤاجداد نے ممکن ہے ہزارہ جات میں مقیم ہونے سے قبل ترکی زبان قبول کی ہو کیونکہ آج ہزارگی زبان میں مغلی الفاظ کی نسبت ترکی الفاظ کی کثرت مشاہدے میں آتی ہے"۔ (6)۔لیکن میرے خیال میں کسی قوم کی طرف سے محض چند دہائیوں کے دوران اپنی مادری زبان سے دست بر داری غیر ممکن ہے اسی لیئے ہمیں ایک دفعہ پھر تاریخ کے اوراق میں جانا ہوگا اور اس دور میں جھانکنا ہوگا جہاں سے ہزارہ قوم کی تشکیل و تکوین کے سلسلے کا آغاز ہوا تھا۔ معتبر تاریخی حوالوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ تقریباً چار دہائیوں کی خانہ جنگیوں کے بعد بلاآخر تیرھویں صدی کے اوائل میں چنگیز خان مغلستان کے تمام ترک و مغل قبائل کو اپنے پرچم تلے متحد کرنے میں کامیاب ہوئے اندریں بابت معروف مغل شناس رنہ گروسہ لکھتے ہیں کہ "تمام ترک و مغل قبائل کو اپنا مطیع بنانے کے بعد چنگیز خان نے 1206ء کے موسم بہار میں قراقرم کے عظیم قورلتائی جس کے دوران اسے خاقان اعظم کا خطاب دیا گیا کے آخر میں اس متحد قوم کو

اولوس موقول یا اولوس مونقولجسین کا نام دیکر اسے آپس میں متحد رہنے کی تلقین کی" (7)۔ موصوف کے مطابق خان اعظم قبل ازیں ترک اویغوری رسم الخط کو اپنی حکومتی دستاویزات کو رقم کرنے کا حکم دے چکے تھے (8)۔ڈیوید مورگن کی تحقیق کے مطابق چنگیز خان نے مغلستان میں موجود تمام مخالف ترک و مغل قبائل کو ان کے سابقہ قبیلوی شناخت کو نظر انداز کرکے ایک جدید فوجی نظم وضبط میں لے آئی جس میں تاتار، مرکیت، کرائیت، نایمان وغیرہ شامل تھے۔آگے چل کر وہ مذید لکھتے ہیں کہ "یوں خان اعظم نے ایک طرح سے ایک جدید مصنوعی قبائل کی بنیاد ڈالی جس میں ہر سپاہی کی وفاداری اپنے سابقہ قبیلے کی بجائے جدید التاسیس فوجی یونٹ کے ساتھ زیادہ تھی" (9)۔اسی طرح ویلادیمیر تسیف مندجہ بالا نظریہ کی تائید کرتے ہوئے رقم طراز ہیں کہ "ان جدید التاسیس دستہ جات میں سے اگر کوئی فرد اپنے کمانڈر کی مرضی کے بغیر کسی دوسرے یونٹ میں چلا جاتا تو اس کی سزا موت تھی اور اس طرح کی تقسیم بندیوں کا باقاعدہ اندراج کیا جانا تھا۔ وہ مذید لکھتے ہیں کہ ان نئی دستہ بندیوں نے انکے قبیلوی سابقہ شناخت کو مٹا کر رکھ دیا جو آگے چل کر اپنے نئے کمانڈر کے نام سے معنون ہوئے (10)۔اس ضمن میں ہزارہ قوم کی بنیادی اسٹریکچر میں موجود درجنوں طوائف جیسے نیکودر، چوپان، بوسید، بہسود (بیسوک)، ارغون وغیرہ عام ملتے ہیں۔ گویا اسطرح کی طویل اجتماعی نددیکیوں نے یقینی طور پر ان مختلف ترک و مغل قبائل کی زبانوں کے اثرات کو ایک دوسرے میں منتقل کیا ہوگا جس کی واضح جھلک آج بھی ہزارگی زبان میں نظر آتی ہے۔ شادروان حسن فولادی بھی ترکی و مغلی زبانوں کی اس آمیزش کو قبول کرتے ہیں۔ تاہم وہ انہیں تیرھویں صدی کے بعد کا زمانہ قرار دیتے ہیں۔

۔ قارئین کرام! اگرچہ تاریخی حوالوں سے ثابت ہیں کہ موجودہ افغانستان میں ہزارہ قوم کی تشکیل میں (11) شامل بعض ترک و مغل قبائل جیسے لاچین، قارلق، خلج وغیرہ قدیم الایام سے مقیم رہے ہیں تاہم ان کی قطعی اکثریت کا تعلق تیرھویں صدی و بعد ازآں آنے والے ترک و مغل قبائل سے ہیں اور ہزارگی زبان میں ترکی و مغلی الفاظ کی موجودگی اسی دور کی یادگار ہے۔ اب وہ وقت آن پہنچا ہے کہ ہزارگی زبان پر جدید سائنسی خطوط کے تناظر میں تحقیق کی جائے اور حسب سابق سرسری انداز میں دری فارسی کا ایک ذیلی لہجہ قرار دیکر نہ ٹالا جائے محض خود ہزارگی زبان کی مختلف لہجوں جیسے دایزنگی، دایکنڈی، ترکمنی، جاغوری وغیرہ پر سائنسی انداز مین اگر تحقیق کی جائے تو یہ بڑی حد تک ہمیں ہزارہ قوم کی اصل اوریجن تک پہنچانے کے ساتھ ساتھ ان کی سماجی زندگی کے مختلف گوشوں

ہزارگی زبان کے بارے میں چند باتیں

بشمول آبائی پیشے پر سے پردہ اٹھانے میں صمد و معاون ثابت ہو گی۔ مثلاً ہزارگی زبان میں پالتو جانوروں کا بہ لحاظ عمر، رنگ، جسامت، شکل و صورت مختلف ناموں کی بہتات ان کے آباؤاجداد کے پیشے یعنی گلہ بانی کی طرف ایک واضح دلیل بھی ہے مثلاً گائے کے مختلف مدارج میں درج ذیل نام ملتے ہیں۔

گوسلہ/چگول	بچھڑا
جونہ	نوجوان بیل
کجہ	جوان بیل جس سے ہل چلانے کا کام لیا جاتا ہو
بوغہ	جوان بیل جس سے نسل کشی کا کام لیا جاتا ہ
برو	جوانی کے قریب گائے
غونجی/دغنگو	نوجوان گائ
قیسُرو	وہ گائے جو وقفہ وقفہ سے دودھ دیتی ہو
شیر قتی	وہ گائے جو بغیر وقفہ کے دودھ دیتی ہو
قلجو	گائے بیل جس کی پیشانی سفید ہو

اسی طرح بھیڑ (قوشقار) کیلئے درج ذیل نام استعمال ہوتے ہیں

برہ	لیلہ
کویک	1تا 2 سالہ
قیسہ	نوجوان بھیڑ
قوشقار/غولجہ	جوان بھیڑ
قوچہ	نر بھیڑ جس سے نسل کشی مقصود ہو
سوبیہ	نوجوان مادہ بھیڑ
میش	دودھ دینے والی بھیڑ
کرمال	نر مادہ عمر رسیدہ بھیڑ
قور غلی	نر مادہ بھیڑ جس کے کان چھوٹے ہو
غولجہ	پیچ دار سینگ والا نر بھیڑ نر ہرن
برداقی	نربھیڑ جو خاص طور پر قدید (لاندی) کیلئے پالا جاتا ہو

دلچسپ نکتہ یہ ہے کہ بھیڑ، بکری، کتا وغیرہ جیسے پالتو جانوروں میں ناموں کی بہتات تو نظر آتی ہے مگر گھوڑے کے معاملے میں یہ بہتات نہیں ملتی حالانکہ ابوالفضل نے شہنشاہ اکبر کے دور حکومت (1605-1556) میں ان کی

ہزارگی زبان کے بارے میں چند باتیں

ایک لاکھ خاندانوں میں سے ایک تہائی کو سوار قلمبند کیا ہے (12)۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ جغرافیائی اور موسمی تقاضوں کے پیش نظر گھوڑوں کی تعداد کم ہوتی گئی ہو چنانچہ اسی حساب سے ان کے نام بھی لوگوں کے اذھان سے محو ہوتے گئے ہو۔ نیز مختلف علاقوں یا ایک ہی علاقے کے مختلف طائفوں کے اندر بھی ان کے نام مختلف ملتے ہیں۔

حوالہ جات

1. The Hazara Dialect of Afghan persian P. No. 12 نیز تاریخ ہزارہ انغانستان صفحہ 119
2. Conversational Hazaragi Urdu-Enflish Preface
3. مردم ہزارہ و خراسانی بزرگ صفحہ 241
4. سر زمیں و رجال ہزارہ صفحہ 253
5. تاریخ ہزارہ مغل صفحہ 24
6. The Hazarasصفحہ 82
7. L. Empire Des Steppesترجمہ فارسی صفحہ 55-365
8. ایضا صفحہ 362
10 The Mangolsترجمہ فارسی صفحہ 9-108
10. Le Regime Social Des Mangolترجمہ فارسی صفحہ 181، 172، 171
11. The Hazras صفحہ 83
12. آئین اکبری صفحہ 1108

ٹایپنگ: ارباب نسیم